(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation

http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

A Study of Terrorism as a Subject in Urdu Short Story

اردو افسانے میں دہشت گردی بطور موضوع: ایک مطالعہ

Rizwana Bibi
Neel Zahra
Scholar Ph.D (Urdu), SUIT, Peshawar at-Rizwana.phd289@gmail.com
Visiting Lecturer (Dept. of Urdu), Karakoram International University,
Main Campus, Gilgit Baltistan at-Neelbaig72@gmail.com

Abstract:
Terrorism is a global problem that affects all nations equally. This factor has a profound impact on the socio-political life of developing countries, as well as it effects their literary thought too. After the 9/11 incident, this problem has properly been aroused. Urdu fiction has the distinction that it has adopted the major issues of every era as its subject matter. Terrorism is also such a big problem which Urdu fiction writers have used as a subject in their short stories to reflect the general global degradation on the one hand and on the other hand to reflect the intellectual and practical decline of the nations which directly affected by this problem. The paper under review presents a thematic study of the short stories of 21st century's selected fiction writers regarding terrorism.

Keywords: Terrorism, Global Issue, Developing Countries, Nine Eleven, Urdu Short Story

ملخص:

دہشت گردی ایسا عالم گیر مسئلہ ہے جو تمام اقوام عالم پر بلا امتیاز اثر انداز ہے۔ اس عنصر نے ترقی پذیر ممالک کی سماجی و سیاسی زندگی پر تو گہرا اثر ڈالا ہی ہے، ساتھ ہی ادبی افکار کو بھی متاثر کیا ہے۔ نائن الیون کے واقعے کے بعد یہ مسئلہ باقاعدہ متشکل ہوا ہے۔ اردو افسانے کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ اس نے ہر عہد کے بڑے مسائل کو بطور موضوع اپنایا ہے۔ دہشت گردی بھی ایسا ہی بڑا مسئلہ ہے جسے اردو افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں موضوع کے طور پر برت کر ایک طرف عمومی عالمی انحطاط کی عکاسی کی ہے تو دوسری طرف اس مسئلے کا براہ راست شکار ہونے والی اقوام کی فکری و عملی زوال کی عکاسی کی ہے۔ زیر نظر مقالہ میں اکیسویں صدی کے منتخب افسانہ نگاروں کے افسانوں کا دہشت گردی کے حوالے سے موضوعاتی مطالعہ پیش ہے۔

کلیدی الفاظ: دہشت گردی، عالم گیری مسئلہ، ترقی پذیر ممالک، نائن الیون، اردو افسانہ

تہذیب، عالمگیریت، ثقافت، انتہا پسندی، قوم پرستی، جنس اور نسل کی طرح دہشت گردی بھی ایک ایسے مفہوم پر مبنی ہے جو یورپی جدیدیت کی پیداوار ہے۔ یہ عصرِ حاضر اور صنعتی انقلاب کا شاخسانہ ہے جس نے موجودہ یورپ اور مجموعی طور پر مغرب کے فکری نظام کی آبیاری کی۔ یوں تو دہشت گردی کی کوئی واضح تعریف نہیں ملتی اور اگر اس کی کوئی تعریف مل بھی جائے تو یہ امر مدِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ دہشت گردی کے سابقہ اور عالمگیریت زدہ حالیہ مفہوم میں بہت فرق ہے۔ ۱۹۳۴ء میں ہارڈ میں نے دہشت گردی کا سنجیدہ مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ:

> "یہ وہ نظریہ ہے جس کی رو سے کوئی منظم گروہ اپنے اعلانیہ اہداف کے حصول کے لیے بنیادی طور پر منظم تشدد کا استعمال کرتا ہے۔"(۱)

درج بالا تعریف کسی حد تک درست ہو سکتی ہے لیکن دہشت گردی کے تمام واقعات پر اس کا انطباق نہیں کیا جا سکتا۔ دہشت گردی سیاسی اور معاشرتی جنگ کی ایک شکل ہے۔ جنگ اور دہشت گردی شروع سے لے کر اب تک ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں لہذا زمانہ عالمگیریت میں دہشت گردی جنگ کی سب سے اہم شکل قرار دی جا سکتی

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

ہے۔ضروری نہیں کی جنگ کی یہ شکل گرم ہی ہو،اس جنگ سے مراد وہ سرد جنگ بھی ہے جو بظاہر کم نقصان دہ معلوم ہوتی ہے لیکن در حقیقت جس کے تحت طاقتور فریق کمزور فریق کے وجود کو اس بری طرح مسخ کر ڈالتا ہے کہ احیا کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔دورِ حاضر میں دہشت گردی کا دائرہ ٹیکنالوجی سے متاثرہ عالمگیری عوامل کی وجہ سے مزید وسیع اور گہرا ہو چکا ہے۔دہشت گردی نے جہاں دیگر معاشرتی عناصر پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں وہیں ادب کو بھی اپنی لپیٹ میں لیا ہے۔نئے افسانے میں دہشت گردی کے موضوع پر قلم اٹھا کر ایک اہم مسئلے کی جانب قارئین کی توجہ مبذول کروائی گئی ہے۔یوں بھی ادب کو زندہ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے عصری مسائل سے ہم آہنگ رکھا جائے۔اس ضمن میں میلان کنڈیرا کی یہ رائے خاصی وزن رکھتی ہے کہ:

"جو فکشن زندگی کے نئے گوشے آشکار نہیں کرتا،وہ کچھ بھی آشکار نہ کر کے دریافتوں کے سلسلے میں شریک ہونے سے قاصر رہتا ہے۔"(۲)

چونکہ دہشت گردی عصرِ حاضر کا ایک اہم مسئلہ ہے جس نے آج کے دور کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں اس لیے جدید ادب میں اس مسئلے کو اجاگر کرنا ناگزیر ہے۔نئے افسانہ نگاروں میں محمد حمید شاہد کے افسانوں میں دہشت گردی کے عناصر کو پوری شدت کے ساتھ محسوس کیا جا سکتا ہے۔ان کا افسانہ "خونی لام ہوا قتلام بچوں کا" توقیر نامی ایک بچے کے قتل کی کہانی ہے جس کا باپ امریکہ رہتا ہے۔اس کی ماں اسے جنم دیتے ہوئے مر جاتی ہے اور وہ دادا دادی کے ہمراہ رہتا ہے۔ایک روز توقیر کثیر الجیبی جیکٹ پہنے اپنے کھلونا پستول سے کھیلتے ہوئے "پھٹ جانے" کا ارادہ ظاہر کرتا ہے اور اس کے اس طفلانہ ارادے کو قرب میں موجود پولیس والا اس قدر سنجیدہ لیتا ہے کہ اس پر بندوق سے گولی چلا دیتا ہے۔اس افسانے میں دہشت گردی کا ایک مناظرہ ملاحظہ ہو:

"۔۔۔ہر بار وہ ان مدرسوں میں پڑھنے والے بچوں کی بابت سوچا کرتے تھے،جو کہنے کو تو طالب علم تھے مگر اساتذہ نے انہیں طالبان بنا دیا تھا؛ شقی القلب طالبان۔مذہب کے نام پر ہر قسم کا بدترین تشدد کر گزرنے والے،گردنوں پر چھری رکھ کر شاہ رگ کاٹ ڈالنے والے۔کمر سے بارود باندھ کر اپنے آپ کو اور دوسرے بے گناہوں کو اڑا دینے والے۔ان سے مسجدیں محفوظ تھیں نہ مدرسے،بازار محفوظ تھے نہ دفاتر۔اور سب سے شرم ناک بات یہ تھی کہ وہ ایسا کرتے ہوئے نعرہ تکبیر بلند کرتے تھے حالاں کہ خوف خدا ان کے دلوں کو چھو کر نہ گزرا تھا۔"(۳)

دراصل ترقی یافتہ مغربی ممالک کی جانب سے اپنی خونخواری،درندگی،سفاکی اور بربریت کو دنیا کی نظروں سے چھپانے اور اپنے مذموم مقاصد کے حصول کی راہ میں اسلام اور مسلمانوں کو راستے سے ہٹانے کے لیے اسلام کو "دہشت گردی" سے جوڑنے اور ایک خطرناک و خون خوار مذہب کے طور پر پیش کرنے کے لیے باقاعدہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔اس مقصد کے لیے ماہانہ کروڑوں ڈالر خرچ کئے جاتے ہیں۔لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے کیونکہ اسلام عالمگیر امن کا داعی ہے اور پر امن معاشرے کے لیے مختلف مذاہب کے ہوتے ہوئے بھی باہمی محبتوں کا وجود ضروری ہے جس کی ترویج اسلام کرتا ہے۔اسلام کی حقیقت کو جاننے کے بعد پروپیگنڈا سے متاثر افراد فطری طور پر اسلام قبول کرنے پر رضامند ہو جاتے ہیں۔یورپ میں اسلام کے تیزی سے پھیلاؤ کو روکنے اور اس کے آگے بند باندھنے کے لیے متبادل راستے کے طور پر "ہر مسلمان دہشت گرد نہیں لیکن ہر دہشت گرد مسلمان ہے" کے نعرے کو عالمی میڈیا میں فروغ دیا جا رہا ہے جس نے اسلام کی طرف رغبت رکھنے والے غیر مسلموں،ہمارے بعض دانشوروں اور ترقی یافتہ طبقے کو بھی کسی حد تک متاثر کیا ہوا ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اس صورت حال کو حقیقت اور تاریخ کے آئینے میں پرکھا جائے تاکہ مسلمانوں سے دہشت گردی کا لیبل اتر سکے۔دہشت گردی نے پسماندہ معاشروں کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے اور مسلمان معاشروں کا تصور مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔اس ضمن میں مذکورہ بالا افسانے سے دہشت گردی کے واقعہ کا پس منظر و پیش منظر ملاحظہ ہو:

"جب اس کی لاش لائی گئی تو اسی ننھے بدن ہر خون میں تر ایک ڈھیلی ڈھالی جیکٹ تھی۔۔۔ننھے توقیر نے اس کی جیبوں میں اپنے کھلونے بھر لیے تھے۔ایک چادر سر پر باندھی اور اس کا پلو پیچھے لٹکنے دیا اور ہاتھ میں وہ کھلونا پستول اٹھا لیا جو باپ نے پچھلے سال امریکہ سے بھیجا تھا۔۔۔اس نے باہر نکلتے ہی ادھر ادھر دیکھا اور بازار کی طرف ہو لیا۔وہ کہتا جاتا تھا:

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

"میں پھٹ جاااااؤں دا۔۔۔۔میں پھٹ جاؤں دااااا"

اس کے پیچھے ایک شور مچ گیا تھا:

"خود کش آ گیا، خود کش آ گیا"

وہ اس شور شرابے سے اور پر جوش ہو گیا۔۔۔۔سپاہی چوکنا ہو گیا کہ اسی عمر کے نوجوان دھماکے سے پھٹ جایا کرتے تھے۔"

(۴)

گویا معصوم بچے کا کھلونا پستول حقیقت میں خوف اور دہشت کی یوں علامت بن گیا کہ اس نے عاقل بالغ سپاہی کو چوکنا کر دیا۔ مقامِ افسوس ہے کہ پاکستان گزشتہ کئی برسوں سے دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے جس کی وجہ سے بے شمار جانی ومالی نقصان ہو چکا ہے۔ ہر طرف خوف اور بے یقینی کا عالم ہے۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ دہشت گرد کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ عوام کا ایک بڑا طبقہ ان کارروائیوں کی حمایت نہیں کرتا۔

اردو افسانے میں دہشت گردی کو موضوع بنانے کے حوالے سے محمد حمید شاہد کا نام اس لیے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ انہوں نے خوف، تشدد اور دہشت کے حوالے سے کئی کہانیاں لکھی ہیں۔ اس حوالے سے ان کے افسانوں میں آدمی کا بکھراؤ، کتاب الاموات سے میزانِ عدل کا باب، موت منڈی میں اکیلی موت کا قصہ، کوئٹہ میں کچلاک، سورک میں سوؤر اور خونی لام ہوا قتلام بچوں کا وغیرہ کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ سر دست ان کا تازہ افسانہ ''خونی لام ہوا قتلام بچوں کا'' اس لیے بھی اہم ہے کہ یہ پشاور کے سانحے اور اس کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ پشاور کے ایک مقامی اسکول میں دہشت گردوں کے ذریعہ کیے گئے مظالم کے ٹھیک ایک ہفتے بعد ایک خود کش حملے میں ماسٹر سلیم الرحمن کا پوتا توقیر مارا گیا۔ اس کے پس پشت وہ عوامل کار فرما تھے جنہیں اس نے سابقہ پندرہ سولہ سالوں میں جھیلا تھا۔ سید پور کی اُچی ڈھکی میں وہ اپنے دادا اور دادی کے ساتھ رہتا تھا اور اُس کا باپ، اپنی بیوی کی ناگہانی وفات کے بعد امریکا جا بسا تھا۔ گو کہ توقیر کی زندگی تنہائیوں کی نذر ہو گئی تھی اور وہ ابنارمل زندگی جی رہا تھا۔ اس کے دادا ماسٹر سلیم الرحمن عمر بھر محکمۂ تعلیم سے وابستہ رہے اور وہ گاؤں والوں کی نظر میں ہمیشہ مشکوک رہے۔ ان کا خیال تھا کہ اسلام سلامتی والا مذہب ہے اور اس میں ایسے ہتھیار استعمال کرنا حرام ہے جو جنگ کرنے والے شخص اور عام شہریوں میں تمیز نہ کر سکے، جو اپنے ہدف میں پڑتے ہوئے بچوں، عورتوں، بوڑھوں، فصلوں اور جانوروں کو بھی نشانہ بنالے۔ انہوں نے ایک بار حاجراں کے بیٹے کے حوالے سے بھی ایک فتویٰ صادر فرما دیا تھا کہ ''اسلام میں سرمایہ کاری حرام نہیں ہے۔ ہاں اسلام میں سود حرام ہے، ایسا قرض جس کے ذریعہ ضرورت پوری کر لی جائے اور سرمایہ ختم ہو جائے۔ اس پر اضافی رقم کا مطالبہ سود ہے اور وہ حرام ہے۔ تاہم ایسی سرمایہ کاری جس میں اصل زر محفوظ رہے اور سرمائے میں بڑھوتری ہوتی ہے، حلال عمل ہے''۔ ماسٹر سلیم الرحمن ایسے اساتذہ پر بھی لعن طعن کرتے جو بچوں کو طالبان بنا دیتے تھے، جو مذہب کے نام پر ہر قسم کا بد ترین تشدد کر گزرنے والے ہوں، گردنوں پر چھری رکھ کر شہ رگ کو کاٹ ڈالنے والے ہوں، کمر میں بارود باندھ کر اپنے ساتھ دوسرے بے گناہوں کو اڑا دینے والے ہوں۔ ایسے دہشت گردوں سے مسجدیں محفوظ ہوں نہ مدرسے، بازار نہ دفاتر۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ایسا کرتے وقت نعرۂ تکبیر بلند کرنے والے ہوں چہ جائے کہ خدا کا خوف اُن کے دلوں میں چھو کر نہ گزرتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ گاؤں والوں کی نظر میں ہمیشہ مشکوک رہے۔ توقیر نے اندر بھی یہ باغیانہ صفات سر اٹھاتی ہیں اور پشاور کے سانحے کے ٹھیک ایک ہفتے بعد وہ بھی اپنے دادا کی جیکٹ پہن کر اس لیے گھر سے باہر نکلتا ہے کہ لوگ اُس سے ڈر کر بھاگیں گے جب کہ پورے ملک کی عوام اور پولیس محتاط ہیں لیکن توقیر اِن تمام حالات سے بے نیاز گھر سے باہر نکلتے ہی اِدھر اُدھر بھاگ کر شور بلند کرنے لگتا ہے۔ ''میں پھٹ جاااؤں دا..... میں پھٹ جاؤں دااا''۔ پولیس اس کی حرکت کو دیکھ کر حرکت میں آجاتی ہے اور ٹریگر دبا کر اُسے بھون ڈالتی ہے۔ یہ افسانہ پاکستان کی سیاسی و سماجی اور آئے دن ہونے والے سانحات کی صورت حال کی اشارہ کرتا ہے۔ ظلم و تشدد کے حوالے سے ان تخلیقات میں واضح طور پر اس طرح کے اشارے ملتے ہیں۔(۵)

صورتِ حال اس وقت انتہائی سنگین ہو جاتی ہے جب بچے دہشت گردی کے عمل کی نقالی شروع کر دیتے ہیں۔ پاکستانی بچوں پر دہشت گردی کے واقعات کے اثرات کے تناظر میں بی بی سی کی ایک رپورٹ پیش ہے:

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

"پاکستان کے قبائلی علاقوں اور صوبہ خیبر پختون خوا میں پچھلے چھ سات سالوں سے دہشت گردی کے خلاف جاری مبینہ جنگ نے پختون معاشرے پر کئی قسم کے منفی اثرات مرتب کئے لیکن حیرت انگیز طور پر رد عمل کے طور پر کچھ مثبت تبدیلیاں بھی رونما ہو رہی ہے جن کو دیکھ کر بعض لوگ یہ خیال بھی کرنے لگے ہیں کہ شاید طالبانائزیشن کا اثر ٹوٹ رہا ہے۔ دو ہزار سات اور دو ہزار آٹھ میں قبائلی علاقوں اور وادی سوات میں جب عسکریت پسند اپنی طاقت کے عروج پر تھے تو ان کا اثر معاشرے پر اتنا زیادہ ہو گیا تھا کہ ان علاقوں کے بچے طالبان کا روپ دھار کر گلیوں میں نظر آتے تھے۔ سوات میں رپورٹنگ کرتے ہوئے کئی مواقعوں پر ایسا دیکھنے میں آیا کہ بچے ہاتھوں میں بندوقیں لیے عسکریت پسندوں کی طرح منہ ڈھانپ کر اور پگڑیاں باندھ کر کھیلا کرتے تھے اور اسی طرح شدت پسندوں کے زبان میں بات کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے۔"(۶)

اس رپورٹ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نئی نسل کی ذہنی تخریب میں دہشت گردی کے واقعات کا کس قدر عمل دخل ہے۔ دہشت گردی کی صورت حال کو مزید گمبھیر کرنے میں سانحہ نائن الیون پیش پیش ہے۔ امریکہ پر ۱۱ ستمبر کے حملے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے طویل اور پیچیدہ عوامل نے سیاسی دہشت گردی کے موضوع کو ایک نئی سمت عطا کی ہے اور داعش، بوکو حرام اور جبہۃ النصر جیسی تنظیموں نے جدید بین الاقوامی تعلقات کو مزید پیچیدہ کر دیا ہے۔ سانحہ نائن الیون کے معاشرتی اثرات کی ذیل میں افسانہ "کوئٹہ میں کچلاک" سے ایک اقتباس درج ہے:

"۔۔۔جب سے امریکہ میں نائن الیون والا حادثہ ہوا اور ٹوئن ٹاور سے دو جہاز ٹکرائے اور بدلے میں امریکہ نے عراق اور بعد ازاں افغانستان پر چڑھائی کی تھی، ادھر پاکستان کے ہر شہر میں سکیورٹی کا سامان بیچنے والوں کی چاندی ہو گئی تھی۔۔۔امریکی ڈونرز کے نہ ختم ہونے والے سلسلے نے دہشت کی ایسی فضا کو جنم دیا تھا کہ کسی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا۔" (۷)

دراصل کسی بھی معاشرے میں بنیادی حقوق سے محرومی انتہا پسندی کو جنم دیتی ہے، دہشت گردی کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں لیکن بد قسمتی سے نائن الیون کے بعد مغربی ممالک کے رہنماؤں نے دہشت گردی کو مسلمان کے ساتھ منسلک کر دیا اور انتہا پسندی اور خود کش حملوں کو بھی اسلام سے جوڑا گیا۔ امریکہ پر ہونے والے 11 ستمبر 2001 کے حملوں کے نتیجے میں کئی قراردادیں منظور ہوئیں جن میں امریکہ کو بغیر حدود و قیود کے دہشت گردوں کے خلاف طاقت کے استعمال کی کھلی اجازت دے دی گئی۔ ایسے میں امریکہ کو کھلی چھوٹ مل گئی کہ وہ پسماندہ ممالک میں اپنی مرضی چلائے۔ ان قراردادوں سے امریکہ کا اثر و رسوخ بڑھ گیا جس کا اندازہ سابق امریکی وزیرِ خارجہ کولن پاور کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے:

"امریکی طاقت کا زمانہ" کی اصطلاح بھی ایک سیاسی حقیقت کا اعتراف ہے۔ امریکا کی وسیع اقتصادی، فوجی اور سیاسی طاقت، جو اس کے اتحادیوں اور دوستوں کے ساتھ مل کر اور بھی وسیع ہو جاتی ہے، بڑی اہمیت کی حامل ہے۔"(۸)

اس حوالے سے امریکہ کی طاقت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ دراصل امریکہ دوسری جنگ عظیم کے بعد سپر پاور بنا۔ اس جنگ میں برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی اور روس کو سخت نقصان پہنچا جب کہ اس جنگ میں امریکہ کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کا خاتمہ بھی امریکہ کی طرف سے جاپان پر ایٹم بموں کے گرانے کی وجہ سے ہوا۔ اس بمباری کے تناظر میں ہی دیکھ لیا جائے تو امریکہ کی فطرت کا اندازہ خوب ہوتا ہے۔ امریکہ کی یہی طبیعت دہشت گردی کے عناصر کو فروغ دینے میں مد معلوم ہوتی ہے۔ ڈاکٹر نجیبہ عارف اس تاریخی سانحے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"مابعد کی اس دنیا میں دو بلند و بالا عمارتوں کا گرنا دراصل دو خلاؤں کی تشکیل ہے۔ ایسی تخریب جس کی بنیاد پر نئی تعمیر ہو سکتی ہے۔ یہ واقعہ ایک عہد کی فصیل اور دوسرے عہد کا دروازہ ہے۔ یہ بات بش اور اوباما کی تقاریر سے لے کر، اسکول کے

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

مباحثے تک کئی بار کہی اور سنی گئی ہے کہ گیارہ ستمبر کا دن عہد جدید کی تاریخ کا ایک اہم ترین دن ہے جب پرانی جمی جمائی زندگی کی بساط الٹ گئی اور مشرق و مغرب کے درمیان ایک نیا رشتہ استوار ہوا۔"(۹)

اس حوالے کی تائید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ جس کے مطابق افغانستان میں سوویت حمایت یافتہ پی ڈی پی اے کی حکومت کو ناکام بنانے اور سوویت یونین کو زک پہنچانے کے لئے امریکہ نے دنیا بھر سے دہشت گردوں کو جہاد کے نام پر افغانستان اور پاکستان کی سرزمین پر آباد کیا جو ایران اور عرب ممالک کے پیسے اور امریکی و پاکستانی اسلحے کے زور پر لوگوں کی لاشیں گراتے رہے۔ اس امریکی جہاد کے دوران جہاں ایک طے شدہ منصوبے کے تحت خطے میں مذہبی شدت پسندی کو فروغ دیا گیا وہاں ایران عرب داخلی چپقلش اور امت مسلمہ کی امامت حاصل کرنے کی دوڑ نے یہاں فرقہ واریت کو بھی اپنے عروج پر پہنچا دیا۔ نتیجے کے طور پر بلوچستان میں دہشت گردی کے واقعات بالخصوص جڑ پکڑنے لگے۔ یہی وہ نیا رشتہ تھا جسے پاکستان نے قبول کیا اور امریکا و پاکستان کے تعلقات ناگفتہ بہ ہو گئے۔ پاکستانی ادبا نے اس صورت حال کو محسوس کیا اور ذہنی دباؤ کی جو صورت ہو سکتی تھی، تخلیقات کی شکل میں سامنے آئیں۔ مثال کے طور پر افسانہ "کوئٹہ میں کچلاک" میں دہشت گردی کے ایک منظر کی محاکات ملاحظہ ہوں:

"۔۔یہ ایک تقریب کی تصویر تھی۔ بگٹی میز کے ایک قدر کے ایک طرف کھڑا قدرے آگے کو جھکا ہوا تھا اور میز کی دوسری طرف سے ایک سیاہ گھنی داڑھی والا بلوچی دونوں ہاتھوں پر دھری بندوق اسے تھما رہا تھا۔ میز پر اور بھی بندوقیں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ اس تصویر کے نیچے لکھا تھا: "کوئٹہ ۱۹۷۳ء، ناراض بلوچی اپنی سرگرمیاں معطل کر کے اسلحہ گورنر بلوچستان کے حوالے کر رہے ہیں۔"(۱۰)

یہاں اس بات کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ اگست ۲۰۰۶ء میں نواب اکبر بگٹی کے قتل کے بعد ہزارہ قوم کے خلاف دہشت گردی میں جس تیزی سے اضافہ دیکھنے میں آیا اسے اتفاق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلوچ علیحدگی پسندی کی تحریک کا آغاز ۲۰۰۳ء میں ہوا تھا جس میں نواب بگٹی کے قتل کے بعد نہ صرف تیزی آئی بلکہ صوبے میں آباد بارسوخ افراد کے قتل میں بھی بے تحاشا اضافہ ہوا۔ اسی دوران بلوچستان کے آئی جی پولیس نے بیان داغا کہ ٹارگٹ کلنگ کا علاج ٹارگٹ کلنگ ہے۔ اس بیان کے بعد نہ صرف بلوچوں کے اغوا اور ٹارگٹ کلنگ میں تیزی آئی بلکہ ہزارہ قوم کے خلاف دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ کے واقعات میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا۔ اس بات سے یہ تاثر ابھرنا لازمی تھا کہ ہزارہ قوم کے بے رحمانہ قتل عام کا ایک مقصد بلوچوں کی تحریک آزادی سے دنیا کی توجہ ہٹانا ہے جس میں مقتدر قوتیں کافی حد تک کامیاب رہیں۔ گویا مقامی و غیر مقامی قوتوں نے مل کر بلوچستان میں دہشت گردی کی ایسی فضا پیدا کر دی جس سے اس علاقے کا تشخص مجروح ہو کر رہ گیا۔ اس ذیل میں مذکورہ بالا افسانے کا ایک اور منظر پیش ہے:

"۔۔۔ایک ایسی تصویر میرے سامنے تھی جس میں کئی لاشیں ناہموار زمین پر پڑی ہوئی تھیں۔ ہر لاش سفید کفن میں لپٹی ہوئی، یوں کہ لاش کفن میں لپیٹ کر پاؤں اور سر دونوں طرف سے گرہ لگائی گئی تھی۔ ذرا فاصلے پر لوگوں کی قطار تھی۔ سب نے سر اور منہ ڈھانپ رکھے تھے۔ لگ بھگ سب کے کندھوں سے دیسی ساخت کے ہتھیار جھول رہے تھے۔ وہ ہاتھ باندھے یوں کھڑے تھے جیسے کھیت کنارے سفیدے کے درختوں کا سلسلہ ہو یا جیسے وہ جنازہ پڑھ رہے ہوں۔۔۔ پھر اس نے پانچ لاشیں اور دکھائیں، الگ الگ۔ ان میں سے کوئی بھی کفن میں نہ تھی۔ ان کا کوئی جنازہ پڑھنے والا نہ تھا۔۔"(۱۱)

درج بالا صورتِ حال میں انسانیت کی انتہائی مکروہ صورتِ حال سامنے آتی ہے کہ جہاں مردے کو جنازہ تک نصیب نہیں ہوتا۔ دراصل انتہا پسندی میں ملوّث افراد کی نفسیات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کیونہ انتہا پسند افراد کی بھاری اکثریت ایک خاص نفسیاتی جھکاؤ رکھتی ہے۔ ایسے افراد عام طور پر اپنی زندگی میں ناکامی کا بیرونی سبب تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نتیجے کے طور پر ان میں ذمہ داران سے انتقام لینے کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ ایسے افراد شکی مزاج، کرخت، صبر و برداشت سے عاری، عدمِ استحکام، جلادگی، کسی خیر و شر پر یقین نہ رکھنے والے ہوتے ہیں اور ان کے انتقام کی زد میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جن پر ان کا زور چلتا ہے۔ ایسے افراد اپنی شخصیت، اپنی فکر، اپنے گروہ، اپنی قوم یا تہذیب کو برتر تصور کرتے ہوئے باقی تمام اقوام یا لوگوں کے گروہ کو ہیچ گردانتے ہوئے انہیں مار دینے پر تُلے رہتے ہیں۔ ان ہی رویوں اور افکار سے ایک عام شخص کے وجود کے اندر سے

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

ایک دہشت گرد باہر آتا ہے اور مقتدر طاقتوں کا دستِ راست بن جاتا ہے۔ صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ لگانے کے لیے محمد حمید شاہد کے افسانے "مرگِ زار" سے دہشت و وحشت کا ایک منظر ملاحظہ ہو:

> "میں نے کفن کی اس جانب کو ٹٹولا جہاں سر ہونا چاہیے تھا۔۔ وہاں سر نہیں تھا۔ میں نے کفن الٹ دیا۔ وہاں سرخ سرخ بوٹیوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ میں نے وہاں ہاتھ سر کایا جہاں کندھے ہوتے ہیں۔ وہاں کندھے بھی نہ تھے۔ چھاتی بھی گوشت کا ڈھیر تھی۔ خون کی پھٹکیوں اور مہک میں بسا ہوا گوشت کا ڈھیر۔"(۱۲)

درج بالا حوالہ کسی بھی حساس ذہن پر اثر انداز ہونے کے لیے کافی ہے۔ دہشت گردی کا لفظ سنتے ہی ذہن میں ایک خوفناک تصور قائم ہو جاتا ہے جو انسانی احترام و عظمت کی پامالی کا تصور ہے۔ انسانیت کے تقدس کو بالائے طاق رکھ کر انسانوں کے لہو سے تربتر دامنوں کا، سڑکوں پر بہتے اور منجمد خونوں کا، بم دھماکوں اور سفاکیت کے مظاہر کا تصور ایک عام انسان کے ذہن کو پراگندہ کرنے کے لیے بہت ہو رہتا ہے۔ دہشت گردی کے حوالے سے بے گناہ، معصوم بچوں اور عورتوں کے ساتھ وحشت و بربریت، ظلم و ستم اور ناجائز طور پر ان کے حقوق کی پامالی کا ایک وحشت بھرا دردناک تصور انسانی ذہن میں قائم ہو کر ذہن و دماغ کے تار و پود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اردو افسانے میں بھی خوف کی اس فضا کی بدرجہ اتم عکاسی ملتی ہے۔ مثال کے طور پر فائرنگ سے پہلے کی فضا کو مبین مرزا نے اپنے افسانے "خوف کے آسمان تلے" میں پوری جزئیات کے ساتھ رقم کیا ہے اور ساتھ ہی فائرنگ کے وقوع اور ایک باپ کی بے بسی کا خوب مرقع کھینچا ہے:

> "اس دن وہ بیٹے کو گود میں لیے نکلے تو بازار میں روز کی طرح رونق تھی۔ یوں بھی یہ وقت بازار میں زیادہ چہل پہل کا تھا۔۔۔ ابھی چند قدم بھی آگے نہ بڑھے ہوں گے کہ دائیں بائیں پورے بازار کی دکانیں تیزی سے بند ہونے لگیں۔ انہیں گھڑی بھر کو تو کچھ سمجھ ہی نہ آیا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے، اس لیے رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ پھر جیسے سمجھ آ گیا، کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے؟ تب تو جیسے ان کی دونوں ٹانگوں میں بجلیاں سی بھر گئیں۔۔۔ فائرنگ شروع ہو چکی تھی، گولیوں کی آواز جیسے ان کی طرف لپک رہی تھی۔۔ ایک ہاتھ میں بیٹا تھا دوسرے میں ڈبل روٹی، مکھن، انڈے۔۔۔ وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ تڑتڑ۔۔ تڑتڑ۔۔ تڑتڑ۔۔ تڑتڑ کی آوازیں اب مشرق، مغرب، شمال، جنوب ہر سمت سے یکساں آ رہی تھیں۔ دوڑتے ہوئے انہیں بس ایک ہی خیال تھا کہ بیٹا غیر محفوظ ہے۔۔۔ وہ زندگی میں پہلی بار شدید بے بسی کے احساس سے دو چار تھے۔ جو باپ اپنی اولاد کو تحفظ فراہم نہ کر سکتا ہو، اسے اولاد پیدا کرنے کا کوئی حق نہیں۔۔۔"(۱۳)

دہشت گردی کی مسموم فضا میں صرف یہی نہیں بلکہ ظلم و جبر کے ایسے ایسے روح فرسا مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں کہ سینے میں پتھر جیسے دل رکھنے والوں کی بھی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ سینوں میں ہمدردی اور انسانیت کی محبت اور اس کے نام پر دھڑکنے والا دل رکھنے والے انسانوں کی سسکیاں احساس کے کانوں سے سنی جا سکتی ہیں۔ اس ذیل میں حامد سراج کے افسانے "ایک اور داؤ" میں خوف و وحشت کا منظر ملاحظہ ہو:

> "۔۔ ملک میں آئے روز کے خودکش دھماکوں نے کروڑوں شہریوں کے چہروں سے خوشی نوچ لی تھی۔ تفریح قصۂ پارینہ بن چکی تھی۔ ہر شہری راستے میں، بھیڑ کے درمیان، مسجد اور بس میں ہر جگہ ہراساں تھا۔۔۔"(۱۴)

دہشت گردی کے واقعات میں جہاں انسانی ذہن خاک و خون میں تڑپتی لاشوں، کشت و خون، ظلم و بربریت اور تباہی و بربادی کے ساتھ ہلاکت و بربادی کے گھاٹ پر قربان ہوتے انسانوں کی جائیداد، اموال اور مکانوں کی بربادی کا تصور قائم کرتا ہے وہیں انسانی ذہن پر واقعات کی وہ بھیانک تصویر بھی ابھر آتی ہے جس میں مسلم و غیر مسلم ملکوں سے بہت سے مسلمانوں، خصوصاً لکھے پڑھے اور دین دار نوجوانوں کو گرفتار کر کے بدنام زمانہ جیل خانوں میں ڈال کر ان کے ساتھ جسمانی، جنسی، ذہنی اور فکری طور پر ایسی مجرمانہ حرکتیں کی جاتی ہیں اور اذیت رسانی اور توہین و تذلیل کے ایسے ایسے طریقے وضع کیے جاتے ہیں جو انسانی ضمیر کو ہلانے کے لیے کافی ہیں۔ مذکورہ بالا افسانے سے دہشت گردی سے ہونے والی معاشرتی تخریب کا ایک اور منظر ملاحظہ ہو:

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

"شہر میں ہونے والے خود کش دھماکوں نے ذہن اور زندگی مفلوج کر کے رکھ دی ہے۔پارک ویران ہو گئے ہیں۔ہوٹلوں میں جائیں تو مکمل تلاشی۔۔۔"(۱۵)

درج بالا حوالے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دہشت گردی اور علیحدگی پسند عناصر ملک میں امن وامان کی فضا مکدر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔اس سلسلے میں شہر میں خوف وہراس پھیلانے کے لیے مختلف منصوبوں پر باقاعدہ کام کیا جاتا ہے۔دھماکے سے پہلے اور بعد کی فضا میں فرق کو محسوس کرنے کے لیے حامد سراج کے ہاں خود کش دھماکے کے بعد کے مناظر کا بیان ملاحظہ ہو:

"۔۔۔لاشیں ہی لاشیں، خون، ایمبولنس، سائرن، ہسپتالوں میں ایمرجنسی، انسانی لوتھڑے۔۔میرے خدا یہ کون لوگ ہیں۔۔۔؟، کہاں سے آئے ہیں؟ان کے دماغوں میں کس نے بارود بھر دیا ہے۔۔"(۱۶)

دہشت گردی معاشرے میں ایسا خوف پیدا کرتی ہے جس سے دو ہولناک چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ایک یہ کہ انسان منطقی انداز میں سوچنے کے قابل نہیں رہتا اور دوسری یہ کہ انسان ناامید ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے اندیشے اسے گھیر لیتے ہیں۔ایسے میں خوف کا یہ عالم بھی نظر آتا ہے کہ رات آٹھ، نو بجے کے بعد گلیوں میں انسان کیا کتے بھی نظر نہیں آتے۔یعنی جانوروں کو بھی یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ شہر کی گلیاں اور چوراہے غیر محفوظ ہو چکے ہیں۔مزید حامد سراج کے افسانے "اکتوبر کے آخری دن" سے آدم بریدگی کا ہولناک منظر ملاحظہ ہو:

"سائرن چیخ رہے تھے۔ایمبولینسز تارکول کی سڑکوں پر بریدہ بدن انسانوں کو لے کر بھاگ رہی تھیں۔۔۔سڑک پر ایک بازو پڑا تھا جس کی کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت ٹھہر گیا تھا۔دوسرے بریدہ دھڑ اوندھے پڑے تھے۔بہہ جانے والے خون پر مکھیاں اور انسان بھنبھنا رہے تھے۔ایک شخص کی کھوپڑی کٹ کے پیپل کے درخت کے تنے کے ساتھ جا ٹکرائی۔تین خود کش بمبار تھے جنھوں نے ایک ساتھ آپریشن کیا اور اپنے بدن کے چیتھڑوں کے ساتھ سینکڑوں گھرا جاڑ دیے اور کروڑوں انسانوں کے لرزتے دلوں میں خوف کاشت کیا۔وہ جنت میں پہنچے یا نہیں لیکن زمین پر جہنم قائم کر دی۔"(۱۷)

درج بالا حوالے میں اجتماعی دہشت گردی کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔اجتماعی دہشت گردی میں کچھ لوگ یا کوئی گروہ مل کر دہشت گردی کرتے ہیں۔اجتماعی دہشت گردی میں دہشت گرد تنظیمیں کچھ افراد کو دہشت گردی کا مشن سونپتی ہیں۔ان افراد کو اس مشن کی باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے اور دہشت گردی کے مشن کی تکمیل کے لیے ایک سربراہ نامزد کیا جاتا ہے جس کی سربراہی میں مشن کی تکمیل کی کوشش کی جاتی ہے۔دہشت گردی کے لیے ایک مکمل منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔دہشت گردی کے مقام کا پہلے سے جائزہ لیا جاتا ہے اور مشن کا سربراہ تمام افراد کو ذمہ داری دیتا ہے اور پھر مقررہ وقت پر دہشت گردی کی جاتی ہے۔امریکا میں نائن الیون کا واقعہ اس دہشت گردی کی بہت بڑی مثال ہے اجتماعی دہشت گردی کے اس واقعہ کے بعد پوری دنیا میں ایک بھونچال آگیا جس کے اثرات آج بھی پوری دنیا پر قائم ہیں۔اس واقعے کے بعد امریکہ اپنے تحفظ کے نام پر ہر پسماندہ ملک کو کچلنا اپنا حق سمجھنے لگا ہے جس کی وجہ سے دہشت گردی کی صورتِ حال مزید پریشان کن ہو گئی ہے اور ایٹم کی جنگ عام ہو گئی ہے۔حامد سراج کے افسانے "گلوبل ویلیج" میں ایٹمی جنگ کے سائے ملاحظہ ہوں:

"۔۔جب ہماری بینائی چھن گئی تھی اس وقت کرۂ ارض ایٹم بم کی زد میں تھا۔دنیا کے سات ممالک نے کامیاب ایٹمی دھماکے کر کے اپنا لوہا منوا لیا تھا۔ہیروشیما اور ناگاساکی کے بعد پاکستان اور ہندوستان ایٹمی جنگ کے دہانے پر کھڑے تھے۔براعظم ایشیا سلگ رہا تھا۔بیسویں صدی کو کمپیوٹر کی صدی قرار دے دیا گیا تھا۔اکیسویں صدی کے آغاز میں DNA کو تو دریافت کر لیا گیا تھا لیکن ایڈز اور کینسر جیسے مہلک امراض کا علاج ابھی دریافت نہیں ہوا تھا۔۔نت نئے میزائلوں اور تباہ کن ایٹمی ہتھیاروں کے تجربات بچوں کا کھیل تھے۔بڑے ممالک اپنے مفادات کی خاطر چھوٹے ممالک پر چڑھ دوڑتے تھے اور دہشت گردی کے نام پر انہیں کچلنا اپنا حق سمجھتے تھے۔"(۱۸)

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

درج بالا حوالے میں مذکور ایٹم کی تباہ کاریوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایٹمی جنگ کے نتیجے میں 6 اگست 1945ء کو ستر ہزار جانوں کو ہیروشیما میں یک لخت ہلاک ہوتے دیکھا گیا اور صرف دو دن کے وقفے سے ناگاساکی کے مزید پینتیس ہزار افراد چشم زدن میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس تباہ کاری کا شکار صرف انسان ہی نہ تھے بلکہ وہ قدرتی نظام بھی نشانہ بنا، جو انسانی حیات کے لیے لازم و ملزوم ہے۔ ایٹم بم کے زمین کو چھونے کے ساتھ ہی اس کے اطراف کے ماحول کا درجہ حرارت سات ہزار دو سو فارن ہائٹ تک پہنچ جاتا ہے اس درجہ حرارت میں ہر طرح کی نباتات اور حیوانات اس صفحہ ہستی سے مٹ جاتے ہیں۔ ایٹمی جنگ نے دنیا میں دہشت کی جڑیں مضبوط کر دیں جس کی وجہ سے دنیا دن بدن تباہی کی زد میں ہے۔ اس ضمن میں مذکورہ بالا افسانے کا ایک اور منظر ملاحظہ ہو:

> "وہ دنیا کے سفر پر نکلا۔۔ جوں جوں سفر طے کرتا گیا خوف اس کی رگوں میں منجمد ہونے لگا۔ وہ جس برِ اعظم میں بھی جا اترا، وہاں کھیتوں میں تھور اگا ہوا تھا۔ خار دار جھاڑیاں اور پودے کانٹوں سے اٹے تھے۔ کارخانے بنجر پڑے تھے۔ کہیں کوئی تنفس دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جنگل جانوروں سے اور آبادیاں پرندوں سے خالی تھیں۔ جانے وہ کہاں نقل مکانی کر گئے تھے۔۔؟ وہ دنیا کے تمام بڑے اور بارونق شہروں میں گیا۔ سب ویران پڑے تھے۔ ہر طرف الو بول رہے تھے۔ دریا، سمندر خشک اور پانی کے کنوؤں کے پیندے سیاہ تھے۔ زمین پر بڑے بڑے ہولناک گڑھے اس بات کا ثبوت تھے کہ پورا کرۂ ارض ایٹمی جنگ کی لپیٹ میں رہا ہے۔ اسے کہیں کسی آبادی کا نشان نہ ملا۔ ہولناک سناٹا تھا۔ وہ سوچتا رہا یہ کیا ہے؟"(۱۹)

درج بالا حوالے میں ایٹمی جنگ کے بعد کے کچھ مناظر کی جھلکیاں پیش کی گئی ہیں۔ ایٹم کی جنگ لڑنے والے انسان کے اس خونریز عمل نے نہ صرف زمین سے روئیدگی چھین لی بلکہ ماؤں کی کوکھ سے معذور بچے جنم لینے لگے۔ طاقت کے نشے میں گم حکمرانوں نے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا ہوگا کہ ان کے اس فیصلے کی کیا قیمت ہے اور وہ قیمت کس کس کو چکانی پڑے گی؟ ویت نام کی ہی مثال لیں جب امریکہ نے ویت نامی علاقوں پر ایسا کیمیکل اسپرے کیا جس نے نہ صرف کھڑی فصلیں تباہ کر دیں بلکہ زمین کی زرعی صلاحیت ہی ختم کر دی۔ جنگوں کی تاریخ میں یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے۔ ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ جب دوران جنگ اطراف نے اپنے حریف کی ہر وہ چیز صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی یا انہیں ناقابل استعمال بنا دیا، جو حریفوں کو فائدہ پہنچا سکتی تھی۔ دہشت گردی بھی جنگ کی ہی ایک شکل ہے سو اس کے مضمرات میں بھی صرف انسان کا وجود نہیں بلکہ پورے پورے معاشروں کے نیست و نابود ہونے کے شواہد ملتے ہیں۔ ہمارے ملک میں دہشت گردی کی لہر کو آئے سال ہا سال گزر گئے لیکن دہشتگردی کی یہ لہر کسی طرح بھی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی۔ یہ کتنا بڑا اور کتنا خوفناک المیہ ہے کہ آج کے نوجوان نے دہشت گردی کی فضا میں آنکھ کھولی اور اسی دہشتگردی کی فضا میں جوان ہوا اور تاحال اسی فضا میں اپنی زندگی بسر کر رہا ہے۔ بات یہیں تک رہتی تب بھی قابل قبول ہو سکتی تھی لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ چند پیسوں کے عوض نوجوان نسل میں دہشت گردی کی تنظیموں کی جانب رغبت بھی نظر آتی ہے۔ اس ضمن میں مبین مرزا کا افسانہ "سفید پردہ" ایک نوجوان کی تنظیم میں شمولیت کا قصہ بیان کرتا ہے۔ نوجوان بے روزگاری کے سدِ باب کے طور پر تنظیم کی رکنیت اختیار کر لیتا ہے۔ احوال بیان ہے:

> "اماں کو پڑوسن کے ذریعے معلوم ہوا کہ بھائی تنظیم میں شامل ہو گیا ہے، اماں نے اس بارے میں کئی بار بھائی سے پوچھا کہ یہ تنظیم کیا کرتی ہے، اس کے لوگ کیسے ہیں اور اپنے کارکنوں سے کیسے کام لیتے ہیں؟ بھائی ہر بار گول مول باتوں سے اماں کو مطمئن کر دیتا۔ ایک دن ابا کو بھی پتا چل گیا۔۔ انہوں نے اماں سے صرف اتنا کہا، "اس سے کہو تنظیم چھوڑ دے یا گھر چھوڑ دے۔ دو بچیاں بن بیاہی بیٹھی ہیں ابھی اس گھر میں، میں جھگڑے مول لینے کے قابل نہیں ہوں۔" اماں نے بھائی سے کہا لیکن اس نے کوئی اثر نہیں لیا۔ بولا، "گھر تو چھوڑ سکتا ہوں اب میں، لیکن تنظیم نہیں چھوڑ سکتا۔"(۲۰)

درج بالا حوالے میں ایک نوجوان کی تنظیم سے وابستگی کے بیان سے پسماندہ معاشرے میں کچے اذہان پر تنظیم کلچر کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ وہ معاشرے جہاں دہشت گردی کے قدم جم جاتے ہیں وہاں بعض اوقات کچھ خفیہ یا نیم خفیہ تنظیمیں پنپ پاتی ہیں۔ یہ تنظیمیں خاص طور پر مذہبی اور فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا دیتی ہیں اور بظاہر خالصتاً غیر مادّی اور مافوق الفطرت تعلیمات کا پرچار کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ ان تنظیموں کی تعلیمات کا بنیادی نکتہ انسان کہ دنیاوی زندگی کو سراسر غیر اہم قرار دیتے ہوئے انفرادی و اجتماعی نظام زندگی کی

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

نفی کرنا ہے۔اور بعض اوقات نفی کے اس سلسلے میں انسان کی ذات بالکل معدوم ہو جاتی ہے جس کی طرف اشارہ درج بالا حوالے میں ملتا ہے۔ان تنظیموں میں رکنیت کا نتیجہ بھی درج بالا افسانے سے ہی ملاحظہ ہو:

"۔۔۔اس دن شام کو منجھلی باجی گھر آ گئیں۔دُلہا بھائی بھی دو دن سے گھر نہیں آئے تھے۔بس فون کر کے بتایا تھا کہ کسی اور جگہ ہیں، کچھ مسئلہ ہے، ہو سکتا ہے چند دن گھر نہ آ سکیں۔لیکن اگلے دن دونوں گھر پہنچ گئے۔۔مگر خود اپنے پیروں پر چل کر نہیں لال بتی والی ایمبولینس میں۔دونوں کے سروں میں اور سینے میں کئی سوراخ تھے۔چہرے خراب ہو گئے تھے، تشدد کی وجہ سے یا شاید چوبیس گھنٹے سے زیادہ لاشیں پڑی رہنے کی وجہ سے۔"(۲۱)

ایسی تنظیمیں ہر قسم کی سماجی ناانصافی و معاشی غیر منصفانہ تقسیم، ظلم و ستم، قتل و غارت وغیرہ جیسے معاملات کا ذمہ دار انسان کی دنیاوی و مادی زندگی کو قرار دیتی ہیں اور اپنے اراکین کی تربیت اس طرح کرتی ہیں کہ وہ اپنے ارد گرد بسنے والے قریبی رشتوں تک کے احساس سے بیگانہ ہو کر بس تنظیم کے ایجنڈوں پر چلتے رہتے ہیں۔چونکہ ریاستی طاقتیں، سول سوسائٹی اور سماجی سمت کا تعین کرنے والے اذہان ایسی تنظیموں کی تعلیمات کو مکمل طور پر رد کرتے ہیں تو ان تنظیموں کے پاس اسلحہ اٹھانے اور زبردستی اپنی فکر مسلّط کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔نتیجہ بالآخر تباہی کی صورت ہی نکلتا ہے۔پھر مذکورہ بالا افسانے سے تنظیم کی رضاکاری کا حال درج ہے:

"بالم بھائی اچھے آدمی تھے۔دُلہا بھائی اور بڑے بھائی کے تنظیمی دوستوں میں تھے۔بھائی کے انتقال کے بعد سے انہوں نے اس کا اور گھر والوں کا خیال رکھا تھا۔منجھلی باجی کو نوکری دلوائی تھی۔اب ان کے رشتے کے لیے بھی انہوں نے ایک جگہ بات چلائی ہوئی تھی۔خالد ان کے ساتھ تنظیم میں تو نہیں تھا لیکن بالم بھائی کبھی کبھی اسی طرح کسی چھوٹی موٹی میٹنگ میں اسے بلوا لیتے تھے۔"(۲۲)

درج بالا حوالے میں دہشت گرد تنظیموں کے کام کرنے کے ابتدائی مراحل کو بخوبی بیان کیا گیا ہے کہ یہ تنظیمیں کس طرح آہستہ آہستہ اپنے دام میں آنے والے افراد پر اپنی گرفت مضبوط کرتی ہیں۔دہشت گرد یا انتہا پسند تنظیموں کو جب عوام الناس کی طرف سے حمایت حاصل ہو جائے تو ایسی دہشت گردی سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔جب معاشرے میں دہشتگرد تنظیموں کیلئے نرم گوشہ رکھنے والے افراد موجود ہوں تو اس سے مذکورہ تنظیموں کو ایک سماجی اور نفسیاتی مدد حاصل رہتی ہے اور اس سے پیغام رسانی، تنظیم کے پھیلاؤ، فکری تبلیغ، اسلحہ، خوراک، ادویات و دیگر امداد بروقت موصول ہوتی رہتی ہے۔یہی نہیں، دہشت گرد انہی حمایتیوں کو بوقتِ ضرورت بطور ڈھال استعمال کرنے کا ہنر بھی جانتے ہیں۔مذہبی و قومی دہشت گردی کا بڑا انحصار اسی سماجی حمایت پر ہے۔بہر صورت دہشت گردی سے متاثرہ ممالک میں افراد کی شخصی اور جمہوری آزادیاں متاثر ہوتی ہیں، یعنی دہشت گردی کے خلاف جنگ بعض شخصی آزادیوں اور جمہوری اقدار کی قربانیاں مانگتی ہے جو کہ مغرب میں عالمگیریت کی اساس ہیں۔اس ضمن میں یہ ضروری ہے کہ اس جنگ میں عوام الناس کی آزادی کا خیال رکھا جائے۔

جہاں تک ادب میں دہشت گردی یا دیگر عالمگیری مضمرات کے موضوعات کا تعلق ہے تو یہ ایک حقیقت ہے کہ ادیب کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ قاری کو کسی نہ کسی طور ضرور متاثر کرتے ہیں خواہ اد باء اس حقیقت کو مانیں یا اس سے انکار کریں۔ادبی تحریر کے جلد یا بہ دیر نتائج بھی برآمد ہوتے ہیں۔اس تناظر میں وقوع پذیر ہونے والے نتائج کی ذمے داری ادیب پر عائد ہوتی ہے۔جب اس حقیقت کو مان لیا جائے کہ لکھا ہوا ہر لفظ نتائج پیدا کرتا ہے اور لکھنے والا ان کا ذمے دار ہوتا ہے تو پھر ادیب کے لیے لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ سماجی اصلاح کو مقدم رکھے۔دہشت گردی کے حوالے سے بات کی جائے تو یہ لکھاری کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے کو ہر نوعیت کے امتیاز سے پاک کرنے اور قانون کی حکمرانی اور ریاست میں سب کے لیے مساوی قوانین کے لیے جدوجہد کرے۔ادبی تحریر اظہار رائے کی آزادی کا پرچار کرے اور کسی بھی نوعیت کی انتہا پسندی، عسکریت پسندی یا دہشتگردی کو تحریری فروغ نہیں دینا چاہیے۔ادب کے ذریعے دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خاتمے کی کوششوں سے ہی انسان دوست فکر اور نظریات کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔https://www.newageislam.com

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

۲۔https://www.nawaiwaqt.com.pk

۳۔ محمد حمید شاہد، دہشت میں محبت، بک کارنر، جہلم، ۲۰۱۵ء، ص:۲۸

۴۔ایضاً، ص:۳۲

۵۔ http://urdufiction.com

۶۔ https://www.bbc.com

۷۔ حمید شاہد، دہشت میں محبت، ص:۴۳

۸۔ http://irak.pk/facing-terrorism-a-new-era-for-america

۹۔http://urdufiction.com

۱۰۔ حمید شاہد، دہشت میں محبت، ص:۴۴

۱۱۔ایضاً، ص:۴۴-۴۵

۱۲۔ایضاً، ص:۹۳

۱۳۔ مبین مرزا، خوف کے آسمان تلے، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۰۴ء، ص:۵۸-۵۹

۱۴۔حامد سراج، بخیہ گری، الفتح پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۳ء، ص:۲۵

۱۵۔ایضاً، ص:۳۷

۱۶۔ایضاً، ص:۳۸

۱۷۔ایضاً، ص:۶۲

۱۸۔ حامد سراج، وقت کی فصیل، پورب اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، طبع دوم، ص:۹

۱۹۔ایضاً، ص:۱۰

۲۰۔ مبین مرزا، خوف کے آسمان تلے، ص:۴۸

۲۱۔ایضاً، ص:۵۰

۲۲۔ایضاً، ص:۵۱